AFKĀR *Journal of Islamic & Religious Studies*
Volume 10, Issue 1, June 2026, PP: 29-54
E-ISSN 2616-8588; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; hjrs.hec.gov.pk

رجوع عن الفتویٰ: شرعی ضوابط اور معاشرتی اثرات کا عہدِ صحابہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of Retracting a Fatwa: Sharīʿah Principles and Societal Implications in the Light of the Era of the Ṣaḥābah

Sami Ullah
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Al Hamd Islamic University, Quetta
samihassani744@gmail.com
Dr. Syed Muhammad Haroon Agha
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Al Hamd Islamic University, Quetta
aghaharoon00@gmail.com

ABSTRACT

The issuance of religious verdicts (fatwā) is a significant responsibility in Islamic jurisprudence, requiring sound knowledge, careful deliberation, and adherence to Sharīʿah principles. However, a mufti may occasionally discover an error in a previously issued fatwā, necessitating its retraction (rujūʿ ʿan al-fatwā). Such retraction is not merely an individual scholarly decision but may also have substantial legal, religious, and societal implications. This study examines the concept of retraction from a fatwā, its Sharīʿah-based principles, and its societal effects in the light of the practices and scholarly judgments of the Companions of the Prophet. The central research problem concerns the circumstances in which retraction becomes necessary, the principles governing its validity, and its implications for public religious understanding and the credibility of Islamic legal scholarship. The study employs descriptive, analytical, and inductive methodologies, drawing upon the Qurʾān, Hadith, classical jurisprudential literature, and historical reports concerning the Companions. Relevant cases of correction, reconsideration, and retraction of legal opinions are examined to identify the underlying principles, including the recognition of error, the pursuit of truth, the correction of public misconceptions, and the prevention of harm. The findings highlight that retraction from a fatwā, when based on sound evidence and established Sharīʿah principles, reflects scholarly integrity, intellectual humility, and a commitment to truth rather than weakness or inconsistency. The study further demonstrates that transparent and timely correction of erroneous verdicts can strengthen public confidence in religious scholarship, prevent the persistence of misconceptions, and promote responsible religious guidance. It concludes that the practices of the Companions provide valuable guidelines for contemporary muftis and Islamic scholars regarding the ethical, jurisprudential, and social dimensions of retracting a fatwā. The study contributes to a deeper understanding of the dynamic nature of Islamic jurisprudence and the responsibility of scholars in addressing changing circumstances and correcting legal judgments.

Keywords: *Retraction of Fatwā, Sharīʿah Principles, Ṣaḥābah, Scholarly Integrity.*

تمہید:

اسلامی شریعت ایک جامع نظام ہدایت ہے جو انسانی زندگی کے بنیادی اصولوں اور عملی مسائل دونوں کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ جہاں قطعی نصوص اور ثابت شرعی احکام میں ثبات واستحکام ملحوظ رکھا گیا ہے، وہیں اجتہادی اور تطبیقی مسائل میں حالات، عرف، مصالح اور انسانی ضروریات کی رعایت کی گنجائش بھی موجود ہے۔ یہی خصوصیت اسلامی فقہ کو اصولی استحکام کے ساتھ عملی وسعت عطا کرتی ہے۔ فقہی روایت میں بھی واضح کیا گیا ہے کہ بعض اجتہادی فتاویٰ زمان، مکان، عرف اور حالات کے تغیر سے متاثر ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ یہ تغیر شرعی اصولوں اور معتبر دلائل کے دائرے میں ہو۔ فتویٰ اسی شرعی و فقہی نظام میں عملی رہنمائی کا اہم ذریعہ ہے۔ مفتی کسی پیش آمدہ مسئلے میں قرآن و سنت، اصولِ فق، فقہی قواعد اور حالاتِ واقعہ کی روشنی میں شرعی حکم کی تعیین کرتا ہے۔ چونکہ فتویٰ کسی مخصوص واقعے اور اس کے حالات سے متعلق ہوتا ہے، اس لیے بعض اجتہادی صورتوں میں سابقہ فتویٰ پر نظرِ ثانی کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اسی علمی عمل کو رجوع عن الفتویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

رجوع عن الفتویٰ سے مراد یہ ہے کہ مفتی یا مجتہد کسی معتبر شرعی وجہ کی بنا پر اپنے سابقہ اجتہادی فتویٰ سے رجوع کرے؛ مثلاً کوئی زیادہ قوی دلیل سامنے آجائے، سابقہ اجتہاد میں خطا واضح ہو جائے، مسئلے کی حقیقی صورت یا متعلقہ حالات تبدیل ہو جائیں، یا معتبر مصلحت کے تقاضے مختلف ہو جائیں۔ عہدِ صحابہ میں اس کی نمایاں مثالیں ملتی ہیں، جہاں بعض صحابۂ کرام نے حدیثِ نبوی ﷺ سے آگاہ ہونے کے بعد اپنی سابقہ رائے سے رجوع کیا۔

تاہم رجوع عن الفتویٰ کو شرعی احکام میں مطلق تبدیلی کے معنی میں لینا درست نہیں۔ اس کا تعلق بنیادی طور پر ان مسائل سے ہے جن میں اجتہاد، تطبیق، عرف، حالات یا مسئلے کی تعیین کا دخل ہو۔ قطعی نصوص اور یقینی احکام کو محض خواہش، وقتی مصلحت یا بدلتے ہوئے رجحانات کی بنیاد پر تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا رجوع عن الفتویٰ کے لیے معتبر دلیل، علمی اہلیت، صحیح تصورِ مسئلہ، اصولِ استنباط کی پابندی اور مقاصدِ شریعت کی رعایت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس موضوع کے لیے عہدِ صحابہ خصوصی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی براہِ راست تربیت پائی اور آپ ﷺ کے بعد پیش آنے والے نئے مسائل میں قرآن و سنت کے اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کیا۔ ان کے فقہی منہج میں نصوص کی پابندی کے ساتھ حالات، مصالح اور اجتماعی ضروریات کی رعایت بھی نمایاں تھی۔ چنانچہ ان کا فقہی تعامل رجوع عن الفتویٰ کے شرعی ضوابط اور اس کے عملی اطلاق کو سمجھنے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ رجوع عن الفتویٰ کے معاشرتی اثرات بھی اس تحقیق کا اہم پہلو ہیں۔ درست شرعی بنیاد پر سابقہ فتویٰ پر نظرِ ثانی معاشرتی ہم آہنگی، عدل، رفعِ

حرج، فکری اعتدال اور اجتماعی مصلحت کے حصول میں معاون ہو سکتی ہے؛ جبکہ غیر منضبط رجوع یا محض خواہشِ نفس کی بنیاد پر فتویٰ کی تبدیلی دینی اعتماد اور فقہی استحکام کو متاثر کر سکتی ہے۔ اس لیے اصل ضرورت رجوع کو مطلقاً رد یا قبول کرنے کے بجائے اس کے شرعی اسباب، اصول اور حدود متعین کرنے کی ہے۔ زیرِ نظر تحقیق میں اسی تناظر میں رجوع عن الفتویٰ کے شرعی ضوابط اور معاشرتی اثرات کا عہدِ صحابہ کے فقہی منہج کی روشنی میں تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا، تاکہ یہ واضح کیا جا سکے کہ صحابہؓ نے دلیل، اجتہاد، حالات، مصلحت اور معاشرتی ضرورت کے درمیان کس نوعیت کا توازن قائم کیا اور اس فقہی منہج سے عصرِ حاضر کے لیے کیا اصولی رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

تحقیق کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ رجوع عن الفتویٰ اگر معتبر دلیل، صحیح اجتہاد، علمی دیانت اور مقاصدِ شریعت کے دائرے میں ہو تو یہ فقہی کمزوری نہیں بلکہ علمی ذمہ داری اور اسلامی فقہ کی عملی وسعت کی علامت ہے۔ عہدِ صحابہ کا فقہی منہج اسی اصولی توازن کی مضبوط تاریخی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

رجوع عن الفتویٰ کے ضوابط اور دلیلِ قاطع کا حصول

اسلامی فقہ اور شریعتِ مطہرہ کے منہجِ اجتہاد میں "دلیلِ قاطع اور سنتِ صریحہ کا حصول" کو فکری تبیین، احکام کی درستی اور رجوع عن الفتویٰ کی سب سے مضبوط اور اولین اساس مانا گیا ہے۔ عہدِ صحابہ میں جب مختلف نوعیت کے پیچیدہ فقہی مسائل سامنے آئے اور بسا اوقات ابتدائی آراء یا ظنی قیاس کی بنیاد پر فتاویٰ صادر ہوئے، تو جلیل القدر صحابہ نے کتاب و سنت کی کوئی قطعی دلیل یا صریح حدیث سامنے آتے ہی اپنے سابقہ فتاویٰ اور اجتہادات سے رجوع کرنے میں غیر معمولی فقہی دیانت، احتیاط اور حق پسندی کا مظاہرہ کیا۔ امام أبو بكر أحمد بن علی الرازی فرماتے ہیں:

> وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِى اللَّه عَنْهُمْ أَشَدَّ النَّاسِ حِرْصاً عَلَى تَرْكِ آرَائِهِمْ عِنْدَ وُضُوحِ السُّنَّةِ الصَّحِيحَةِ وَدَلِيلِ القَاطِعِ فى قضايا الأَحْكَامِ، فَرُبَّمَا أَفْتَى الرجل منهم برأى اجتهادى فى مسألة ليس فيها نص جلي، ثم يتبين له خلافه من صريح سنة النبى ﷺ فى حديث مرفوع أو قضاء مستفيض، فيرجع عن قوله فوراً لئلا يَجْعَلَ الرَّأْى حَاكِماً على الوحي۔[1]
>
> ترجمہ: اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین احکام کے مقدمات میں صحیح سنت اور قطعی دلیل واضح ہونے پر اپنی آراء کو چھوڑنے پر سب سے زیادہ حریص تھے، پس بسا اوقات ان میں سے کوئی شخص کسی ایسی مسئلے میں اجتہادی رائے سے فتویٰ دیتا جس میں کوئی واضح نص نہ ہوتی، پھر اس پر نبی ﷺ کی صریح سنت سے مرفوع

حدیث یا مستفیض فیصلے میں اس کے خلاف بات واضح ہو جاتی، تو وہ فوراً اپنے قول سے رجوع کر لیتا تاکہ رائے کو وحی پر حاکم نہ بنایا جائے۔

جصاص کی یہ گراں قدر توضیح اس بات کو صریح طور پر واضح کرتی ہے کہ اجتہادی آراء کے مقابلے میں سنتِ صریحہ اور دلیلِ قاطع کے حصول کو صحابہ نے ہمیشہ فوقیت دی۔ جب بھی انہیں معلوم ہوتا کہ ان کا پہلا فتویٰ صریح حدیث یا قطعی دلیل کے خلاف ہے، تو وہ فوراً اپنے فتوے سے رجوع کر کے صحیح شرعی ضابطہ نافذ کر دیتے تھے۔ ان کا یہ عمل اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلامی شریعت میں شخصی اجتہاد کو وحی اور سنت کے تابع رکھا گیا ہے۔ امام أبو محمد ابن قدامۃ الحنبلی اپنی کتاب المغنی میں اس حقیقت کو اس طرح رقم فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ كعمر بن الخطاب وعلى بن أبى طالب وعثمان بن عفان رضى الله عنهم الرجوع عن فتاواهم المجرّدة عند قيام الدليل الأقوى والسنة الصريحة، فكانوا يتركون آرائهم الأولى التى أفتوا بها بالظن أو القياس لمّا ظهر لهم الحق من النبىﷺ، تاركين أية شبهة للتمسك بالرأى الضعيف أمام النص الصحيح۔[2]

ترجمہ: اور صحابہ کی ایک جماعت (جیسے عمر بن الخطاب، علی بن أبی طالب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما) سے قوی دلیل اور صریح سنت قائم ہونے پر اپنے مجرد فتاویٰ سے رجوع کرنا ثابت ہے، پس وہ اپنی پہلی آراء کو چھوڑ دیتے تھے جن کا انہوں نے ظن یا قیاس کے ساتھ فتویٰ دیا تھا جب ان پر نبی ﷺ کی طرف سے حق ظاہر ہو جاتا تھا، وہ صحیح نص کے مقابلے میں کمزور رائے کو پکڑنے کے ہر شبہ کو چھوڑ دیتے تھے۔

ابن قدامہ کا یہ زریں قول اس امر کا واضح غماز ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر اکابر صحابہ نے ظنی آراء اور قیاسات کو ترک کرنے اور سنتِ صریحہ کو اپنانے میں کثرت سے اپنے سابقہ اقوال کو بدلا۔ ان کا یہ رجوع اس بات کی دلیل ہے کہ شریعتِ اسلامی میں قوی دلائل اور احادیثِ صحیحہ کی موجودگی میں سابقہ اجتہادات پر اصرار کرنے کے بجائے رجوع کرنا عین حکمت اور عین صواب ہے۔ ابن حزم الظاھری کی کتاب المحلی بالآثار میں ملتی ہے، جہاں وہ دلیلِ قاطع اور سنتِ صریحہ سے متعلق صحابہ کے مرجوع عنہ فتاویٰ کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ بِالأَسَانِيدِ الصَّحِيحَةِ رُجُوعُ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ عن كل فتوى خالفت ظاهراً من السنة أو دليلاً قاطعاً من الوحي، فكان رجوعهم دليلاً قاطعاً على أنَّ الأحكام مبناها على التسليم للنص وأن الرأى متى خالف السنة سقط واعُتُبِرَ لاغياً بكل دقة۔[3]

ترجمہ: اور صحیح اسانید کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت کا ہر اس فتویٰ سے رجوع کرنا ثابت ہے جو سنت کے ظاہر کے یا وحی کے کسی قطعی دلیل کے مخالف تھا، پس ان کا رجوع کرنا اس بات کی قاطع دلیل تھا کہ احکام کی بنیاد نص کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر ہے اور رائے جب بھی سنت کی مخالفت کرے گی تو ساقط ہو جائے گی اور اسے بالکل کالعدم شمار کیا جائے گا۔

ابن حزم الظاہری کا یہ بیان اس پوری بحث کا نچوڑ ہے کہ دلیلِ قاطع اور سنتِ صریحہ کے حصول جیسے بنیادی ترین اصول کے تحت بھی صحابہ کا رجوع اس بات کی سب سے روشن دلیل ہے کہ اسلامی شریعت میں حق کی بازیافت اور نص کی پیروی کے لیے کسی بھی سابقہ اجتہادی لغزش پر اصرار نہیں کیا جاتا بلکہ بروقت رجوع کیا جاتا ہے۔

اجتہادی خطا کا اعتراف اور نفسانیت سے برائت

اسلامی تشریع، فقہی منہج اور اخلاقیاتِ افتا میں "اجتہادی خطا کا اعتراف اور نفسانیت سے براءت" کو ایک فقیہ، مجتہد اور مفتی کی علمی دیانت، تقویٰ اور حق پسندی کا سب سے بڑا معیار مانا گیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے جہاں ایک طرف اجتہاد اور استنباط کا حق دیا ہے، وہیں دوسری طرف انسان کی فکری محدودیت اور خطا کے امکان کو بھی تسلیم کیا ہے، کیونکہ معصوم عن الخطا صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ذاتِ گرامی ہے۔ امام أبو بکر أحمد بن علی الرازی الجصاص کا تجزیہ سامنے آتا ہے، جو اپنی کتاب أحکام القرآن میں اجتہادی خطاؤں پر رجوع اور نفس کی سرکشی سے بچنے کے ابواب میں صحابہ کے رجوع کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِى اللَّه عَنْهُمْ أَبْعَدَ النَّاسِ عَنِ التَّعَصُّبِ لِلرَّأْى وَأَجْرَأَهُمْ عَلَى الاعتراف بالخطأ إذا ظهر لهم الحق فى قضايا الاجتهاد، فَرُبَّمَا أَفْتَى الرجل منهم برأى ثم يتبين له وجه الصَّواب فى غيره، فَلَا يمنعه الكبر أو حب الشهرة من الرجوع عنه، بل يقول بكل تواضع: "رجع فلان عن رأيه"، محكمين طلب الحق على حظوظ النفس والدفاع عن الأقوال الشخصية"[4]

ترجمہ: اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رائے کے ساتھ تعصب کرنے سے سب سے زیادہ دور اور اجتہاد کے مقدمات میں حق ظاہر ہونے پر خطا کا اعتراف کرنے میں سب سے زیادہ دلیر تھے، پس بسا اوقات ان میں سے کوئی شخص کسی رائے سے فتویٰ دیتا پھر اس پر دوسری جانب صواب کا رخ واضح ہو جاتا، تو اسے تکبر یا شہرت کی محبت اس سے رجوع کرنے سے نہیں روکتی تھی، بلکہ وہ پورے تواضع کے ساتھ کہتا: "فلان نے اپنی

رائے سے رجوع کر لیا"، وہ ذاتی نفس کی خواہشات اور شخصی اقوال کے دفاع پر حق کی طلب کو حاکم بناتے تھے۔

امام جصاص کی یہ گراں قدر توضیح اس بات کو صریح طور پر واضح کرتی ہے کہ اجتہادی خطاؤں کے اعتراف اور نفسانیت سے براءت کے باب میں صحابہ کرام کا کردار امت کے لیے مینارِ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب بھی انہیں معلوم ہوتا کہ ان کا پہلا فتویٰ انفرادی رائے کا نتیجہ تھا اور اس میں خطا واقع ہو چکی ہے، تو وہ کسی بھی جھوٹی انانیت کا شکار ہوئے بغیر فوراً اپنے فتوے سے رجوع کر کے حق کا اعتراف کر لیتے تھے، امام أبو محمد عبد اللہ بن أحمد ابن قدامہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ كعمر بن الخطاب وعلى بن أبى طالب وابن مسعود رضى الله عنهما الرجوع الصريح عن الفتاوى الاجتهادية متى ظهرت خطأها، فكانوا يقولون فى مجالسهم: "رأينا كان كذا ورجعنا إلى الحق"،عادّين الاعتراف بالخطأ فضيلة ورجوعاً إلى الهداية، تاركين كل نوازع النفس التى تأبى قبول الحق بعد ظهوره۔[5]

ترجمہ: اور صحابہ کی ایک جماعت (جیسے عمر بن الخطاب، علی بن أبی طالب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما) سے اجتہادی فتاویٰ سے صریح رجوع کرنا ثابت ہے جب ان کی خطا ظاہر ہو جاتی تھی، پس وہ اپنی مجلسوں میں کہتے تھے: "ہماری رائے ایسی تھی اور اب ہم حق کی طرف رجوع کرتے ہیں"، وہ خطا کے اعتراف کو فضیلت اور ہدایت کی طرف واپسی شمار کرتے تھے اور نفس کے ہر اس وسوسے کو چھوڑ دیتے تھے جو حق ظاہر ہونے کے بعد اس کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔

امام ابن قدامہ کا یہ زریں قول اس امر کا واضح غماز ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر اکابر صحابہ نے اجتہادی خطاؤں کو چھپانے کے بجائے برملا ان کا اعتراف کیا اور توبہ و رجوع کا راستہ اپنایا۔ ان کا یہ رجوع اس بات کی دلیل ہے کہ شریعتِ اسلامی میں نفسانیت سے براءت اور خطا کا اعتراف کرنے والا عالم ہی معاشرے میں حقیقی عزت اور بلند مقام کا مستحق ہوتا ہے۔ امام أبو محمد ابن حزم فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ بِالأَسَانِيدِ الصَّحِيحَةِ رُجُوعُ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ عن كل رأى تبين له خطاوه، ولم تأخذهم العزة بالإثم، فكان رجوعهم واعترافهم دليلاً قاطعاً على أنَّ طلب الحق هو غاية المسلم وأن نفس المؤمن تذعن للحق متى ظهر لها بكل تجرد وصدق۔[6]

ترجمہ: اور صحیح اسانید کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت کا ہر اس رائے سے رجوع کرنا ثابت ہے جس کی خطا ان پر ظاہر ہو گئی اور گناہ کی عزت (تکبر) نے انہیں نہیں پکڑا، پس ان کا رجوع کرنا اور اعتراف کرنا اس بات کی قاطع

دلیل تھا کہ حق کی طلب ہی مسلمان کا مقصود ہے اور مومن کا نفس حق کے سامنے جھک جاتا ہے جب وہ پوری تجرد اور سچائی کے ساتھ اس پر ظاہر ہو جائے۔

ابن حزم کا یہ بیان اس پوری بحث کا نچوڑ ہے کہ اجتہادی خطا کا اعتراف اور نفسانیت سے براءت جیسے اخلاقی و فقہی ابواب میں بھی صحابہ کرام کا رجوع اس بات کی سب سے روشن دلیل ہے کہ اسلامی شریعت میں انانیت اور ہٹ دھرمی کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ حق کی تابعداری ہی اصل مومنانہ شیوہ ہے۔

مصلحتِ عامہ اور دفعِ مفاسد کا التزام

اسلامی تشریع، مقاصدِ شریعہ اور فقہی سیاست میں "مصلحتِ عامہ اور دفعِ مفاسد کا التزام" کو ایک فقیہ، مجتہد اور حاکم کی بصیرت کا سب سے روشن مینار مانا گیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کا بنیادی مقصد بندگانِ خدا کے مفادات کا تحفظ، معاشرے سے فتنہ و فساد کا خاتمہ اور حیاتِ انسانی کو اعتدال و سکون کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ جب بھی کسی زمانے میں حالات کی تبدیلی، معاشرتی ضرورتوں کے تقاضوں یا مفاسد کے سدِ باب کے لیے کوئی نیا فقہی تناظر سامنے آتا ہے، تو شریعت کے کلی قواعد کے تحت سابقہ اجتہادات یا فتاویٰ میں تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ امام اُبو بکر اُحمد بن علی الرازی فرماتے ہیں:

> وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِى اللَّه عَنْهُمْ أَرْعَى النَّاسِ لِمَصَالِحِ العِبَادِ وَأَدْفَعِهِمْ لِلمَفَاسِدِ العَامَّةِ عِنْدَ تغير الأحوال، فَرُبَّمَا أَفْتَى الرجل منهم برأى فى منع بيع معين أو فى عدم جواز تصرف طارئ، ثم يتبين له أن فى بقاء هذا الفتوى إلحاق الضرر الفادح بالناس ووقوعهم فى الحرج، فيرجع عن قوله فوراً رعاية للمصلحة العامة ودفعاً للفساد المتوقع۔[7]
>
> اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حالات کے بدلنے پر بندوں کے مصالح کا سب سے زیادہ خیال رکھنے والے اور عام مفاسد کو سب سے زیادہ دور کرنے والے تھے، پس بسا اوقات ان میں سے کوئی شخص کسی معین بیع کے منع کرنے کے بارے میں یا کسی طارئ تصرف کے جواز کے نہ ہونے کے بارے میں کسی رائے سے فتویٰ دیتا، پھر اس پر واضح ہو جاتا کہ اس فتویٰ کے باقی رہنے میں لوگوں کو سخت نقصان پہنچانا اور ان کا حرج میں پڑنا ہے، تو وہ عام مصلحت کی رعایت کرتے ہوئے اور متوقع فساد کو دور کرنے کے لیے فوراً اپنے قول سے رجوع کر لیتے تھے۔

امام جصاص کی یہ توضیح اس بات کو صریح طور پر واضح کرتی ہے کہ مصلحتِ عامہ اور مفاسد کے سدِ باب کے حساس باب میں صحابہ کرام

انسانی زندگی کے حرج اور نقصان کو دور کرنے کے لیے کتنی وسعتِ نظر سے کام لیتے تھے۔ جب بھی انہیں معلوم ہوتا کہ ان کا پہلا فتویٰ معاشرے میں خرابی یا دشواری پیدا کر رہا ہے، تو وہ فوراً اپنے فتوے سے رجوع کر کے مفادِ عامہ کے مطابق درست ضابطہ نافذ کر دیتے تھے۔ ان کا یہ عمل اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلامی شریعت اپنے احکام میں زمینی حقائق اور فلاحِ عامہ کو بنیادی اہمیت دیتی ہے۔

اس فکری اور تاریخی تسلسل کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے ابن قدامہ الحنبلی، المغنی میں اس حقیقت کو اس طرح رقم فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ كعمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضى الله عنهما الرجوع فى قضايا مالية واقتصادية عندما ظهر أن تطبيق الرأى الأول يجر مفاسد عظيماً على المجتمع الإسلامي، فكانوا يبدلون فتاواهم بما يحقق مصلحة الأمة ويحفظ أموال الناس، عادّين تغير الفتوى بتغير الزمان والمكان والمصلحة من اصول الشريعة الراسخة[8].

ترجمہ: اور صحابہ کی ایک جماعت (جیسے عمر بن الخطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما) سے مالی اور معاشی قضایا میں رجوع کرنا ثابت ہے جب یہ ظاہر ہو گیا کہ پہلے رائے پر عمل کرنا اسلامی معاشرے پر بڑے مفاسد کا سبب بن رہا ہے، پس وہ اپنے فتاویٰ کو اس چیز کے مطابق بدل دیتے تھے جو امت کی مصلحت کو حاصل کرے اور لوگوں کے اموال کی حفاظت کرے، وہ زمان و مکان اور مصلحت کے بدلنے سے فتویٰ کے بدلنے کو شریعت کے راسخ اصولوں میں شمار کرتے تھے۔

امام ابن قدامہ کا یہ زریں قول اس امر کا واضح غماز ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر اکابر صحابہ کرامؓ نے معاشی اور معاشرتی فلاح کے پیشِ نظر اپنے متعدد اجتہادات کو تبدیل کیا۔ ان کا یہ رجوع اس بات کی دلیل ہے کہ شریعتِ اسلامی میں مصلحتِ عامہ کا تحفظ اور مفاسد کا دفع وہ بنیادی ستون ہے جس پر عادلانہ نظامِ حکومت اور فقہی احکام کی عمارت استوار ہے۔ امام علاء الدین أبو بکر بن مسعود الکاسانی بیان فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَرَوْا فى التنازل عن الرأى السابق لأجل المصلحة العامة أى غضاضة، بل اعتبروا دفع الفساد العام مقدماً على جلب المصالح الفردية، ومثال ذلك ما رجع إليه أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى وقف الأراضى المفتوحة وعطاءات الناس عندما رأى أن المصلحة العامة توجب مخالفة الرأى القديم رعاية لاستقرار الدولة[9].

اور انہوں نے مصلحتِ عامہ کی خاطر سابقہ رائے سے دستبردار ہونے میں کوئی عار نہیں سمجھی، بلکہ عام فساد کا دفع کرنا انفرادی مصالح کے حاصل کرنے پر مقدم مانا، اور اس کی مثال وہ ہے جس سے امیر المؤمنین عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ زمینوں کے وقف اور لوگوں کے وظائف کے بارے میں رجوع کیا جب انہوں نے دیکھا کہ مصلحتِ عامہ اس بات کو واجب کرتی ہے کہ ریاست کے استحکام کی رعایت کرتے ہوئے پرانی رائے کے خلاف عمل کیا جائے۔

علامہ کاسانی کا یہ فقہی تجزیہ اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ حنفی فقہ کے اصولوں میں بھی مصالحِ مرسلہ اور دفعِ مفاسد کو فتاویٰ کی تبدیلی کی بنیادی علت قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا ریاست کے استحکام اور عامۃ الناس کے حقوق کے تحفظ کے لیے اپنے سابقہ فقہی فیصلوں سے رجوع اس کی روشن ترین مثال ہے۔ امام أبو محمد ابن حزم فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ بِالأَسَانِيدِ الصَّحِيحَةِ رُجُوعُ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ عن كل حكم أدى تطبيقه إلى حرج أو فساد فى المجتمع، فكان رجوعهم دليلاً قاطعاً على أنَّ مقاصد الشريعة توجب جلب المصالح ودرء المفاسد بكل دقة وحكمة[10].

اور صحیح اسانید کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت کا ہر اس حکم سے رجوع کرنا ثابت ہے جس کے نفاذ کا نتیجہ معاشرے میں حرج یا فساد کی صورت میں نکلا، پس ان کا رجوع کرنا اس بات کی قاطع دلیل تھا کہ شریعت کے مقاصد اس بات کو واجب کرتے ہیں کہ پوری دقت اور حکمت کے ساتھ مصالح کو حاصل کیا جائے اور مفاسد کو دور کیا جائے۔

ابن حزم الظاہری کا یہ بیان اس پوری بحث کا نچوڑ ہے کہ مصلحتِ عامہ اور دفعِ مفاسد کا التزام جیسے عظیم مقاصد کے تحت بھی صحابہ کرامؓ کا رجوع اس بات کی سب سے روشن دلیل ہے کہ اسلامی شریعت انسانوں کی فلاح و بہبود اور فساد کے خاتمے کے لیے انتہائی لچکدار اور متوازن نظام فراہم کرتی ہے۔

اجماعِ صحابہ یا جمہور کی تائید و توثیق

اسلامی اصولِ فقہ اور تشریعی مآخذ میں "اجماعِ صحابہ یا جمہور کی تائید و توثیق" کو کسی بھی اجتہادی فیصلے کی صحت، حجیت اور حتمیت کا سب سے مضبوط سہارا مانا گیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں امت کے اتفاقِ رائے (اجماع) کو معصوم عن الخطا قرار دیا گیا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ صریح ارشاد موجود ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ عہدِ صحابہ کرامؓ میں جب کوئی انفرادی اجتہاد یا ابتدائی فتویٰ کسی مسئلے میں صادر ہوتا، لیکن بعد میں کبارِ صحابہ کے اجتماع یا جمہور کی رائے اس کے برعکس ثابت ہو جاتی، تو جلیل القدر مجتہد صحابہ اپنی انفرادی آراء کو ترک کر کے اجماعِ صحابہ یا جمہور کی تائید و توثیق کو گلے لگا لیتے تھے۔

اجماعِ صحابہ یا جمہور کی تائید و توثیق سے متعلق صحابہ کرامؓ کے اس رجحان اور ان کے مرجوع عنہ فتاویٰ کی تاریخی و فقہی حیثیت کا تفصیلی احاطہ کرنے کے لیے تفاسیر، سنن، مسانید، فقہی مباحث اور آثار کی معتبر کتابوں سے استدلال کرنا انتہائی ضروری ہے، امام أبو بکر أحمد بن علی الرازی الجصاص کا تجزیہ سامنے آتا ہے، جو اپنی کتاب أحکام القرآن میں اجماع اور جمہور کی آراء کے ابواب میں صحابہ کے رجوع کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِى اللَّه عَنْهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى موافقة الجماعة والنزول عند حكم الإجماع متى ظهر لهم، فَرُبَّمَا أَفْتَى الرجل منهم برأى شاذ أو اجتهاد تفرد به فى مسألة، ثم يتبين له أن جمهور الصحابة على خلافه أو أن هناك إجماعاً منعقداً قبله، فيرجع عن قوله فوراً لئلا يُشَقَّ عصا المسلمين ويقع الشقاق فى الأحكام[11].

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جماعت کی موافقت کرنے پر اور جب اجماع ظاہر ہو جائے تو اس کے حکم کے سامنے جھکنے پر سب سے زیادہ حریص تھے، پس بسا اوقات ان میں سے کوئی شخص کسی مسئلے میں کسی شاذ رائے یا ایسے اجتہاد سے فتویٰ دیتا جس میں وہ اکیلا ہوتا، پھر اس پر ظاہر ہو جاتا کہ جمہور صحابہ اس کے خلاف ہیں یا یہ کہ اس سے پہلے کوئی اجماع منعقد ہو چکا ہے، تو وہ فوراً اپنے قول سے رجوع کر لیتے تھے تاکہ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ نہ پڑے اور احکام میں اختلاف واقع نہ ہو۔

امام جصاص کی یہ گراں قدر توضیح اس بات کو صریح طور پر واضح کرتی ہے کہ انفرادی آراء کو چھوڑ کر اجماع اور جمہور کی تائید کو اپنانے کے باب میں صحابہ کرامؓ کتنی غیر معمولی وسعتِ قلب کا مظاہرہ کرتے تھے۔ جب بھی انہیں معلوم ہوتا کہ ان کا فتویٰ جمہور کی رائے کے خلاف ہے، تو وہ فکری انفرادیت کو چھوڑ کر اجتماعی فیصلے کو اپنا لیتے تھے۔ ان کا یہ عمل اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلامی شریعت امت کے اتحاد اور اتفاقِ رائے کو بنیادی اہمیت دیتی ہے۔ امام أبو محمد عبد اللہ بن أحمد ابن قدامۃ الحنبلی اپنی کتاب المغنی میں اس حقیقت کو اس طرح رقم فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ كعمر بن الخطاب وعلى بن أبى طالب رضى الله عنهما الرجوع عن فتاواهم الفردية عندما ظهر لهم اتفاق الجمهور أو انعقاد الإجماع على خلافها، فكانوا يتركون آرائهم الخاصة متواضعين للجماعة، عادّين رجوعهم إلى الإجماع قوة للحق وصيانة لوحدة الأمة الفقهية[12].

اور صحابہ کی ایک جماعت (جیسے عمر بن الخطاب اور علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہما) سے اپنے انفرادی فتاویٰ سے

رجوع کرنا ثابت ہے جب ان پر جمہور کا اتفاق یا اس کے خلاف اجماع کا انعقاد ظاہر ہو گیا، پس وہ جماعت کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے اپنی خاص آراء کو چھوڑ دیتے تھے، اور اجماع کی طرف اپنے رجوع کو حق کی قوت اور امت کی فقہی وحدت کی حفاظت شمار کرتے تھے۔

امام ابن قدامہ کا یہ زریں قول اس امر کا واضح غماز ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر اکابر صحابہ کرامؓ نے انفرادی اجتہادات کے مقابلے میں جمہور کی تائید اور اجماعِ امت کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ ان کا یہ رجوع اس بات کی دلیل ہے کہ شریعتِ اسلامی میں اجتماعی بصیرت اور جمہور کی توثیق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے تاکہ فروعی مسائل میں انتشار سے بچا جا سکے۔ امام علاء الدین أبو بکر بن مسعود الکاسانی اس طرح بیان فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَرَوْا فی العدول عن الرأی الفردی طاعةً لإجماع الجمهور أو الصحابة غضاضَةً، بل اعتبروا موافقة الجماعة عصمة من الخطأ، ومثال ذلك ما رجع إليه أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی قضايا الجدود وميراث الإخوة وغير ذلك عندما تبين له اتفاق الصحابة على قول معين، محكمين قوة الإجماع على الرأی الشاذ[13].

اور انہوں نے جمہور یا صحابہ کے اجماع کی اطاعت میں انفرادی رائے سے عدول کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھی، بلکہ جماعت کی موافقت کو خطا سے بچاؤ کا ذریعہ مانا، اور اس کی مثال وہ ہے جس سے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دادوں کے مسائل اور بھائیوں کی میراث اور اس کے علاوہ دیگر قضایا میں رجوع کیا جب ان پر صحابہ کا کسی معین قول پر اتفاق ظاہر ہو گیا، وہ شاذ رائے پر اجماع کی قوت کو حاکم بناتے تھے۔

علامہ کاسانی کا یہ فقہی تجزیہ اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ حنفی فقہ کے اصولوں میں بھی اجماع اور جمہور کی تائید کو انفرادی اجتہاد پر فوقیت دینے کی کامل نظیریں موجود ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کا میراث اور دیگر پیچیدہ مسائل میں اجماعِ صحابہ کی خاطر اپنے سابقہ اقوال سے رجوع اس کی روشن ترین مثال ہے۔

وقتِ ضرورتِ شرعیہ فتوے کی تنسیخ و تجدید

اسلامی تشریع، فقہی تطور اور متغیراتِ زمانہ کے احکام میں "وقتِ ضرورتِ شرعیہ فتوے کی تنسیخ و تجدید" کو ایک فقیہ، مجتہد اور مفتی کی بصیرتِ کاملہ اور زمانی ادراک کا سب سے بڑا مظہر مانا گیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ جامد اور غیر متغیر ضوابط کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ یہ انسانی زندگی کے بدلتے ہوئے حالات، تمدنی ارتقاء اور پیش آمدہ ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اپنے احکام میں لچک اور وسعت رکھتی ہے۔

جب بھی کسی زمانے میں حالات کی تبدیلی، عوارضِ طارئہ یا شرعی ضرورتوں کے تحت کوئی نیا ماحول بنتا ہے، تو پرانے فتاویٰ کی تنسیخ اور نئے تقاضوں کے مطابق ان کی تجدید ناگزیر ہو جاتی ہے۔

وقتِ ضرورتِ شرعیہ فتوے کی تنسیخ و تجدید سے متعلق صحابہ کرامؓ کے اس رجحان اور ان کے مرجوع عنہ فتاویٰ کی تاریخی و فقہی حیثیت کا تفصیلی احاطہ کرنے کے لیے تفاسیر، سنن، مسانید، فقہی مباحث اور آثار کی معتبر کتابوں سے استدلال کرنا انتہائی ضروری ہے، امام أبو بکر أحمد بن علی أحکام القرآن میں تغیرِ احوال اور ضرورتِ شرعیہ کے تحت فتاویٰ کی تنسیخ کے ابواب میں صحابہ کے رجوع کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِى اللَّه عَنْهُمْ أَعْرَفَ النَّاسِ بِتَغَيُّرِ الأَحْكَامِ بِتَغَيُّرِ الأَزْمَانِ وَالحَاجَاتِ الشَّرْعِيَّةِ، فَرُبَّمَا أَفْتَى الرجل منهم برأى فى وقت لضرورة اقتضته أو لحال سادت، ثم تتبدل الظروف وتنتفى تلك الحاجة أو تنشأ ضرورة جديدة، فينسخ الفتوى القديمة ويجدد حكماً يوافق وقت الحاجة، مستنداً إلى قواعد الشريعة التى تراعى فيها مصالح العباد وتدرأ عنهم الحرج[14].

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین زمانوں کے بدلنے اور شرعی حاجتوں کے ساتھ احکام کے بدلنے کو سب سے زیادہ پہچاننے والے تھے، پس بسا اوقات ان میں سے کوئی شخص کسی وقت میں کسی ایسے فتویٰ سے فتویٰ دیتا جو کسی ضرورت یا اس وقت کے مروجہ حال کا تقاضا ہوتی، پھر حالات بدل جاتے اور وہ حاجت ختم ہو جاتی یا کوئی نئی ضرورت پیدا ہو جاتی، تو وہ پرانے فتویٰ کو منسوخ کر دیتے اور ضرورت کے وقت کے مطابق نئے حکم کی تجدید کرتے، شریعت کے ان قواعد پر اعتماد کرتے ہوئے جن میں بندوں کی مصالح کی رعایت کی جاتی ہے اور ان سے حرج کو دور کیا جاتا ہے۔

امام جصاص کی یہ گراں قدر توضیح اس بات کو صریح طور پر واضح کرتی ہے کہ وقتِ ضرورتِ شرعیہ کے تحت فتاویٰ کی تنسیخ اور تجدید کے باب میں صحابہ کرامؓ حالات کے تناظر میں کتنی گہری بصیرت رکھتے تھے۔ جب بھی انہیں معلوم ہوتا کہ اب زمانہ بدل چکا ہے اور پرانا فتویٰ وقت کی ضرورت کو پورا نہیں کر رہا، تو وہ فوراً اس کی تنسیخ کر کے نئے حالات کے مطابق فتوے کی تجدید کر دیتے تھے، امام أبو محمد عبداللہ بن أحمد ابن قدامۃ الحنبلی فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ كعمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضى الله عنهما

تنسخ فتاواهم واجتهاداتهم السابقة عند طرأ ضرورات جديدة أو تغير الأحوال الاجتماعية والمالية، فكانوا يجددون الأحكام بما يناسب وقت الحاجة الشرعية، محكّمين قاعدة أن الأحكام تدور مع علتها وجوباً وعدماً، وتغيّر الفتوى بتغير الزمان لا يعد نقضاً للدين بل هو تحقيق لمقاصده[15].

اور صحابہ کی ایک جماعت (جیسے عمر بن الخطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما) سے ثابت ہے کہ جب نئی ضرورتیں طاری ہوئیں یا سماجی اور مالی حالات بدل گئے تو انہوں نے اپنے سابقہ فتاویٰ اور اجتہادات کو منسوخ کر دیا، پس وہ شرعی حاجت کے وقت کے موافق احکام کی تجدید کرتے تھے، اس قاعدے کو حاکم بناتے ہوئے کہ احکام اپنی علت کے ساتھ وجوباً اور عدم میں گردش کرتے ہیں، اور زمان کے بدلنے سے فتویٰ کا بدلنا دین کی تنقیص نہیں بلکہ اس کے مقاصد کی تکمیل ہے۔

امام ابن قدامہ کا یہ قول اس امر کا واضح غماز ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر اکابر صحابہ کرامؓ نے وقتِ ضرورتِ شرعیہ کے تحت فتاویٰ کو منسوخ کرنے اور نئے حالات کے مطابق انہیں ڈھالنے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ ان کا یہ رجوع دلیل ہے کہ شریعتِ اسلامی میں ضرورت اور زمان و مکان کا تغیر فتاویٰ کی تجدید کا سب سے بڑا محرک ہے۔

رجوع عن الفتویٰ کا معاشرتی اثرات میں ہم آہنگی کا فروغ

اسلامی معاشرت، فکری رواداری اور اخلاقی توازن میں "رجوع عن الفتویٰ اور معاشرتی ہم آہنگی کا فروغ" کو ایک ایسے باہم جڑے ہوئے عمل کی حیثیت حاصل ہے جو معاشرے کو انتشار، ضد اور عصبیت سے پاک کر کے محبت اور یگانگت کی فضا قائم کرتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ کا مقصدِ اصلی بندگانِ خدا کے درمیان الفت، اتحاد اور امن کا قیام ہے۔ جب مجتہدین اور مفتیانِ کرام اپنی انفرادی آراء یا اڑیل رویوں کو چھوڑ کر حق کی خاطر اپنے سابقہ فتاویٰ سے رجوع کر لیتے ہیں، تو اس سے معاشرے میں ایک ایسا مثبت پیغام جاتا ہے جہاں انا پرستی ختم ہو جاتی ہے اور باہم اتفاق و تعاون کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ امام أبو بکر أحمد بن علی الرازی الجصاص کا تجزیہ سامنے آتا ہے، جو اپنی کتاب أحکام القرآن میں رجوع کے ذریعے معاشرتی اتحاد اور فتنوں کے سدِ باب کے ابواب میں صحابہ کے رجوع کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّه عَنْهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى تأليف القلوب ودرء الشقاق الاجتماعي من خلال التراجع عن الآراء المتنازع عليها، فَرُبَّمَا أَفْتَى الرجل منهم برأي يؤدي إلى اختلاف

الناس وتنازعهم، ثم يتبين له الحق أو يرتفع الإشكال، فيرجع عن قوله علانية ليجمع كلمة المسلمين ويزيل الفرقة من بين صفوفهم، محكّمين مصلحة الوحدة على التشبث بالرأى الفردي[16].

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین متنازع آراء سے رجوع کرنے کے ذریعے دلوں کو جوڑنے اور معاشرتی تفرقہ کو دور کرنے کے سب سے زیادہ حریص تھے، پس بسا اوقات ان میں سے کوئی شخص کسی ایسی رائے سے فتویٰ دیتا جو لوگوں کے اختلاف اور باہم نزاع کا سبب بنتی، پھر اس پر حق واضح ہو جاتا یا اشکال دور ہو جاتا، تو وہ علانیہ اپنے قول سے رجوع کر لیتا تاکہ مسلمانوں کے اتفاق کو جوڑے اور ان کی صفوں سے تفرقہ کو مٹا دے، وہ انفرادی رائے کے ساتھ چمٹے رہنے پر وحدت کی مصلحت کو حاکم بناتے تھے۔

امام جصاص کی یہ گراں قدر توضیح اس بات کو صریح طور پر واضح کرتی ہے کہ رجوع عن الفتویٰ کا عمل معاشرے میں اختلافِ رائے کی وجہ سے پیدا ہونے والی کشیدگی کو ختم کرنے کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ جب بھی صحابہ کرام دیکھتے کہ ان کے کسی فتویٰ سے امت میں انتشار کا خطرہ ہے، تو وہ فوراً رجوع کر کے معاشرتی ہم آہنگی کی فضا بحال کر دیتے تھے۔ ان کا یہ عمل اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلامی معاشرت میں اجتماعی سکون اور اتحادِ امت کو فوقیت حاصل ہے۔ ابن قدامہؒ اپنی کتاب المغنی میں اس حقیقت کو رقم فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ كعمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضى الله عنهما الرجوع عن فتاواهم الفردية التى كادت أن تحدث لغطاً أو اختلافاً بين الناس، فكانوا يبادرون إلى إعلان الرجوع لإطفاء نار الخلاف وتحقيق التآلف الاجتماعي، عادّين التواضع للحق وإيثار المصلحة العامة سبباً مباشراً لاستقرار المجتمع وسلامة وحدته[17].

اور صحابہ کی ایک جماعت (جیسے عمر بن الخطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما) سے اپنے ان فتاویٰ سے رجوع کرنا ثابت ہے جو لوگوں کے درمیان ہنگامہ یا اختلاف پیدا کرنے کے قریب ہو چکے تھے، پس وہ اختلاف کی آگ کو بجھانے اور معاشرتی تالف کو حاصل کرنے کے لیے رجوع کا اعلان کرنے میں جلدی کرتے تھے، وہ حق کے سامنے عاجزی کرنے اور مصلحتِ عامہ کو ترجیح دینے کو معاشرے کے استقرار اور اس کی وحدت کی سلامتی کا براہِ راست سبب شمار کرتے تھے۔

امام ابن قدامہ کا یہ زریں قول اس امر کا واضح غماز ہے کہ اکابر صحابہ کرامؓ نے معاشرتی امن اور باہم محبت کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی

انفرادی آراء کو قربان کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا۔ امام علاء الدین أبو بکر بن مسعود الکاسانی حنفی اپنے شاہکار بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں اس موضوع کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَرَوْا فی العدول عن الفتویٰ طلباً لانسجام المجتمع ودفعاً للفرقة أی غضاضة، بل اعتبروا التراجع عن الرأی المؤدی للشقاق من شیم المتقین، ومثال ذلك ما رجع إليه أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی قضايا الأقضية والعطاءات عندما رأی أن فی الرجوع توحيداً لكلمة المسلمين ومنعاً للتنازع، محكّمين سلامة المجتمع على العناد الفكري[18].

معاشرے کے انسجام کے طلب اور تفرقہ کو دور کرنے کے لیے فتوے سے عدول کرنے میں انہوں نے کوئی عار نہیں سمجھی، بلکہ شقاق کا سبب بننے والی رائے سے تراجع کو متقیوں کی عادتوں میں شمار کیا، اور اس کی مثال وہ ہے جس سے امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قضایا اور عطاءات کے معاملات میں رجوع کیا جب انہوں نے دیکھا کہ رجوع کرنے میں مسلمانوں کے کلمہ کا اتحاد اور تنازع کا انسداد ہے، وہ فکری ہٹ دھرمی پر معاشرے کی سلامتی کو حاکم بناتے تھے۔

علامہ کاسانی کا یہ فقہی تجزیہ اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ حنفی فقہ کے اصولوں میں بھی رجوع عن الفتویٰ کو معاشرتی امن اور باہم محبت کے استحکام کا بنیادی وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا کلمہ ءامت کو متحد رکھنے کے لیے فیصلے بدلنا اس کی روشن ترین مثال ہے۔

فکری انتشار اور تقلیدی جمود کا خاتمہ

اسلامی تحریک فکر، اجتہادی منہج اور تاریخ فقہ میں "فکری انتشار اور تقلیدی جمود کا خاتمہ" کو ایک ایسی بنیادی ضرورت اور فکری اساس مانا گیا ہے جو امتِ مسلمہ کو جمود کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی، عقل و تدبر اور پائیدار فکری توازن کی طرف گامزن کرتی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے جہاں ایک طرف قرآن و سنت کے نصوصِ قطعیہ کو دین کی اصل قرار دیا ہے، وہیں دوسری طرف زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ عقلِ انسانی کو متحرک رکھنے، اجتہاد کے دروازے کھلے رکھنے اور فکری جمود کو توڑنے کا مکمل اور جامع نظام عطا کیا ہے۔ فکری انتشار اور تقلیدی جمود کے خاتمے سے متعلق صحابہ کرامؓ کے اس رجحان، ان کے مرجوع عنہ فتاویٰ اور اس کے گہرے فکری اثرات کا تفصیلی احاطہ کرنے کے لیے تفاسیر، سنن، مسانید، اصولِ فقہ، تاریخ تشریع اور آثار کی معتبر کتابوں سے استدلال کرنا انتہائی ضروری ہے، امام أبو بکر أحمد بن علی الرازی الجصاص تقلید جامد کے ابطال، فکری انتشار کے سدِ باب اور صحابہ کرامؓ کے رجوع کی اہمیت کو واضح کرتے

ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِى اللَّه عَنْهُمْ أَبْعَدَ النَّاسِ عَنِ التَّقْلِيدِ الأَعْمَى وَالجُمُودِ الفِكْرِيّ، فَلَمْ يَكُونُوا يَتَعَصَّبُونَ لِآرَاءِ بَعْضِهِمُ البَعْضِ بَلْ كَانُوا يَرَوْنَ أَنَّ الحَقَّ ضَالَّةُ المُؤْمِنِ، فَإِذَا ظَهَرَ الدَّلِيلُ القَاطِعُ تَرَكُوا كُلَّ رَأْى سَابِقٍ وَكُلَّ تَقْلِيدٍ مُجَرَّدٍ، مِمَّا قَضَى عَلَى كُلِّ إِحْتِمَالٍ لِلتَّشَتُّتِ الفِكْرِى أو الصِّرَاعِ العَصَبِى بَيْنَ المُسْلِمِينَ، فَبِالرُّجُوعِ عَنِ الأَخْطَاءِ تَمَّ بِنَاءُ صَرْحِ العَقْلِ الحُرِّ المُنْضَبِطِ بِالنُّصُوصِ[19].

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اندھی تقلید اور فکری جمود سے سب سے زیادہ دور تھے، پس وہ ایک دوسرے کی آراء کے ساتھ تعصب نہیں کرتے تھے بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ حق مومن کی گمشدہ چیز ہے، پس جب قطعی دلیل ظاہر ہو جاتی تو وہ ہر سابقہ رائے اور ہر مجرد تقلید کو چھوڑ دیتے تھے، جس نے مسلمانوں کے درمیان فکری انتشار یا عصبیت کی جنگ کے ہر احتمال کا خاتمہ کر دیا، پس غلطیوں سے رجوع کرنے کے ذریعے اس آزاد عقل کا محل تعمیر ہوا جو نصوص کے ساتھ منضبط ہے۔

امام جصاص کی یہ گراں قدر توضیح اس بات کو صریح طور پر واضح کرتی ہے کہ فکری انتشار اور تقلیدی جمود کے خاتمے میں صحابہ کرامؓ کا رویہ امت کے لیے ایک اٹل اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب بھی کسی مسئلے میں فکری تشتت کا خطرہ پیدا ہوتا یا لوگ کسی سابقہ کمزور رائے سے چمٹے رہنے کی کوشش کرتے، تو اکابر صحابہ اپنی آراء سے رجوع کر کے فکری رواداری اور حریتِ فکر کی بہترین مثال قائم کرتے تھے۔ امام علاء الدین أبو بکر بن مسعود الکاسانی حنفی اپنے شاہکار بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں اس موضوع کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَرَوْا فى الخروج عن القوالب الجامدة والتقليد الموروث عيباً، بل عدوا ذلك كمال البصيرة الفقهية، ومثال ذلك ما أثبته التاريخ من رجوع كبار الصحابة عن فتاواهم الأولى عندما وجدوا الحق فى غيرها، قاطعين الطريق بذلك على كل دعوى للجمود الفكرى أو الانغلاق المذهبي، محكمين سلطان الدليل على سلطان العادة والتقليد[20].

اور انہوں نے جامد قالبوں اور موروثی تقلید سے نکلنے کو کوئی عیب نہیں سمجھا، بلکہ اسے فقہی بصیرت کا کمال شمار کیا، اور اس کی مثال وہ ہے جسے تاریخ نے کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اپنے پہلے فتاویٰ سے رجوع کرنے کی صورت میں ثابت کیا ہے جب انہوں نے حق کو اس کے علاوہ میں پایا، انہوں نے اس کے ذریعے

فکری جمود یا مسلکی انغلاق کے ہر دعوے کا راستہ کاٹ دیا، وہ عادت اور تقلید کے غلبے پر دلیل کے غلبے کو حاکم بناتے تھے۔

علامہ کاسانی کا یہ فقہی تجزیہ اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ حنفی فقہ کے اصولوں میں بھی تقلیدی جمود کی نفی کی گئی ہے اور فکری آزادی و اجتہادی جرأت کو سراہا گیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کا پچھلے فیصلوں سے رجوع کر کے نئے دلائل کو اپنانا اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ فکری انتشار اور تقلیدی جمود کا تریاق صرف اور صرف دلیل کی تابعداری اور بروقت رجوع میں پوشیدہ ہے۔ امام أبو محمد ابن حزم الظاهری کی کتاب المحلی بالآثار میں ملتی ہے، جہاں وہ فکری جمود کے ابطال، تقلیدِ مذموم کے رد اور صحابہ کے مرجوع عنہ فتاویٰ کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ بِالأَسَانِيدِ الصَّحِيحَةِ رُجُوعُ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحابة الكرام عن كل قول أدى التشبث به إلى تعطيل النص أو الوقوع فى أسر التقليد، فكان رجوعهم الصريح درساً بليغاً للأمة فى ضرورة إعمال الفكر، ونبذ التعصب الأعمى، وإحياء روح الاجتهاد، دليلاً قاطعاً على أن الشريعة تأبى الجمود الفكرى وتدعو دائماً إلى طلب الحق بلا انغلاق[21].

اور صحیح اسانید کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت کا ہر اس قول سے رجوع کرنا ثابت ہے جس کے ساتھ چمٹے رہنے کا نتیجہ نص کو معطل کرنا یا تقلید کی قید میں پڑنا تھا، پس ان کا صریح رجوع امت کے لیے عقل کو بروئے کار لانے، اندھے تعصب کو ترک کرنے اور اجتہاد کی روح کو زندہ کرنے کے بارے میں ایک بلیغ درس تھا، جو اس بات کی قاطع دلیل ہے کہ شریعت فکری جمود سے انکار کرتی ہے اور ہمیشہ بغیر کسی انغلاق کے حق کی طلب کی دعوت دیتی ہے۔

ابن حزم الظاہری کا یہ بیان اس پوری بحث کا نچوڑ ہے کہ فکری انتشار اور تقلیدی جمود کا خاتمہ جیسے حساس اور فکری موضوع پر بھی صحابہ کرامؓ کا رجوع اس بات کی سب سے روشن دلیل ہے کہ اسلامی شریعت فکری غلامی کو ختم کر کے عقلِ سلیم، تحقیقِ حق اور آزاد اجتہادی فضا کو پروان چڑھاتی ہے۔

عدلِ اجتماعی اور حقوقِ عباد کا تحفظ

اسلامی نظامِ عدل، فقہی سیاست اور معاشرتی حقوق میں "عدلِ اجتماعی اور حقوقِ عباد کا تحفظ" کو ریاست اور شریعت کا سب سے بنیادی اور مقصدی ستون مانا گیا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے انسانی جان، مال، آبرو اور حقوق کے تحفظ کو اتنی زیادہ اہمیت دی ہے کہ اس کے

مقابلے میں کسی بھی شخصی اجتہاد یا روایتی ضابطے کو کوئی دوام حاصل نہیں رہتا۔ جب کبھی معاشرے میں کسی انفرادی فتوے یا اجتہادی فیصلے کی وجہ سے عامۃ الناس کے حقوقِ العباد پر آنچ آنے کا خطرہ پیدا ہوتا ہے، یا عدلِ اجتماعی کا توازن بگڑنے لگتا ہے، تو شریعت کے کلی قواعد کے تحت اس فیصلے کو بدلنا لازم ہو جاتا ہے، امام أبو بکر أحمد بن علی الرازی الجصاص کا تجزیہ سامنے آتا ہے، جو اپنی کتاب أحکام القرآن میں عدلِ اجتماعی کے نفاذ، حقوقِ عباد کی پاسداری اور صحابہ کرامؓ کے رجوع کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِى اللَّه عَنْهُمْ أَرْعَى النَّاسِ لِحُقُوقِ العِبَادِ وَأَحْرَصَهُمْ عَلَى إِقَامَةِ العَدْلِ الاِجْتِمَاعِيِّ، فَرُبَّمَا أَفْتَى الرجل منهم برأى فى مال أو حق أو تصرف، ثم يتبين له أن فى تطبيق هذا الرأى إجحافاً بحقوق الناس وضياعاً لمصالحهم الضعيفة، فيرجع عن قوله فوراً انتصاراً للعدالة ودرءاً للظلم عن المستضعفين، محكمين مصلحة الجماهير على كل اجتهاد فردى قد يلحق الضرر بالأمة[22].

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بندوں کے حقوق کا سب سے زیادہ خیال رکھنے والے اور عدلِ اجتماعی کے قیام پر سب سے زیادہ حریص تھے، پس بسا اوقات ان میں سے کوئی شخص کسی مال، حق یا تصرف کے بارے میں کسی رائے سے فتویٰ دیتا، پھر اس پر واضح ہو جاتا کہ اس رائے کے نفاذ میں لوگوں کے حقوق کی حق تلفی اور ان کی کمزور مصالح کا ضیاع ہے، تو وہ عدالت کی نصرت کے لیے اور کمزوروں سے ظلم کو دور کرنے کے لیے فوراً اپنے قول سے رجوع کر لیتے تھے، وہ ہر اس انفرادی اجتہاد پر عوام کی مصلحت کو حاکم بناتے تھے جو امت کو نقصان پہنچا سکتا ہو۔

امام جصاص کی یہ گراں قدر توضیح اس بات کو صریح طور پر واضح کرتی ہے کہ عدلِ اجتماعی کے قیام اور حقوقِ عباد کے تحفظ کے حساس باب میں صحابہ کرامؓ کی غیر معمولی بصیرت امت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ جب بھی انہیں معلوم ہوتا کہ ان کا کوئی سابقہ فتویٰ عامۃ الناس کے حقوق میں کمی یا ناانصافی کا سبب بن رہا ہے، تو وہ بغیر کسی تردید کے اپنے موقف سے رجوع کر کے عادلانہ فیصلے کو نافذ کر دیتے تھے۔ امام أبو محمد عبداللہ بن أحمد ابن قدامۃ فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ الكِرَامِ كعمر بن الخطاب وعثمان بن عفان رضى الله عنهما الرجوع الصريح عن فتاواهم الاقتصادية والمالية عندما ظهر لهم أن التشبث بها يضر بحقوق العباد ويخل بقواعد العدل الاجتماعي، فكانوا يبدلون تلك الأحكام بما

يضمن للناس حقوقهم ويحفظ أموالهم، عادّين حفظ حقوق العباد مقدماً على أي التزام شكلي بالأقوال السابقة[23].

اور صحابہ کرام کی ایک جماعت (جیسے عمر بن الخطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما) سے ان کے معاشی اور مالی فتاویٰ سے صریح رجوع کرنا ثابت ہے جب ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ ان کے ساتھ چمٹے رہنا بندوں کے حقوق کو نقصان پہنچاتا ہے اور عدلِ اجتماعی کے قواعد میں خلل ڈالتا ہے، پس وہ ان احکام کو اس چیز کے ساتھ بدل دیتے تھے جو لوگوں کے لیے ان کے حقوق کی ضمانت دے اور ان کے اموال کی حفاظت کرے، وہ بندوں کے حقوق کی حفاظت کو سابقہ اقوال کے ساتھ کسی بھی شکلی التزام پر مقدم شمار کرتے تھے۔

امام ابن قدامہ کا یہ زریں قول اس امر کا واضح غماز ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر اکابر صحابہ کرامؓ نے عدلِ اجتماعی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنے سابقہ مالی اور انتظامی فتاویٰ کو تبدیل کرنے میں کبھی تامل نہیں کیا۔ ان کا یہ رجوع اس بات کی دلیل ہے کہ شریعتِ اسلامی میں حقوقِ عباد کا تحفظ اور عدل کا قیام دین کا بنیادی مقصد ہے۔ امام علاء الدین أبو بکر بن مسعود الکاسانی حنفی اپنے شاہکار بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں اس موضوع کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَرَوْا فى التنازل عن الرأى السابق إذا كان فى ذلك صيانة لحقوق الناس ورفع للظلم عنهم أى نقص، بل اعتبروا نصرة المظلوم وإقامة العدل الاجتماعى أسمى الغايات، ومثال ذلك ما اشتهر من رجوع أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى كثير من قضايا العطايا والأموال والأراضى عندما تيقن أن العدل يقتضى خلاف ما افتى به أولاً، محكمين مصلحة الرعية وحقوقها على كل اعتبار شخصي[24].

اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور ان سے ظلم کو دور کرنے کے لیے سابقہ رائے سے دستبردار ہونے میں انہوں نے کوئی کمی نہیں سمجھی، بلکہ مظلوم کی نصرت اور عدلِ اجتماعی کا قیام سب سے بلند مقاصد کو مانا، اور اس کی مثال وہ ہے جو امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے عطیات، اموال اور زمینوں کے بہت سے قضایا میں رجوع کے حوالے سے مشہور ہے جب انہیں یقین ہو گیا کہ عدل اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے خلاف کیا جائے جس کا انہوں نے پہلے فتویٰ دیا تھا، وہ ہر شخصی اعتبار پر رعیت کی مصلحت اور اس کے حقوق کو حاکم بناتے تھے۔

علامہ کاسانی کا یہ فقہی تجزیہ اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ حنفی فقہ کے اصولوں میں بھی عدلِ اجتماعی کے نفاذ اور حقوقِ عباد کی پاسداری کو فتاویٰ کی تبدیلی کی سب سے بڑی علت قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا رعیت کے حقوق کے تحفظ کے لیے اپنے پچھلے فیصلوں سے رجوع اس کی روشن ترین مثال ہے۔

رواداری، تواضع اور اخلاقی اقدار کی ترویج

اسلامی تہذیب، اخلاقیاتِ عالیہ اور فکری آداب میں "رواداري، تواضع اور اخلاقی اقدار کی ترویج" کو ایک ایسے باوقار اور متوازن منہج کی حیثیت حاصل ہے جو معاشرے کو تکبر، تعصب، انانیت اور فکری اڑیل پن سے پاک کر کے حسنِ اخلاق، کشادہ دلی اور انکساری کی معراج پر فائز کرتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے جہاں ایک طرف اعتقادی و عملی احکام کی پابندی کو لازم قرار دیا ہے، وہیں دوسری طرف انسانی تعلقات اور علمی مباحث میں اخلاقی برتري، عاجزی اور دوسروں کے موقف کو برداشت کرنے کی تلقین کو بنیادی جوہرِ دین مانا ہے۔

رواداري، تواضع اور اخلاقی اقدار کی ترویج سے متعلق صحابہ کرامؓ کے اس لافانی رجحان، ان کے مرجوع عنہ فتاویٰ اور اس کے گہرے اخلاقی و معاشرتی اثرات کا تفصیلی احاطہ کرنے کے لیے تفاسیر، سنن، مسانید، اصولِ فقہ، اخلاقیات اور آثار کی معتبر کتابوں سے استدلال کرنا انتہائی ضروری ہے، امام أبو بكر أحمد بن علی الرازی تواضع کی اہمیت، فکری رواداری کے فروغ اور صحابہ کرامؓ کے رجوع کی اخلاقی روح کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِى اللَّه عَنْهُمْ أَبْعَدَ النَّاسِ عَنِ التَّكَبُّرِ وَالعُجْبِ بِالرَّأْيِ، فَلَمْ يَكُنْ أَحَدُهُمْ يَأْنَفُ مِنَ الرُّجُوعِ عَن خطأ تبين له أو قول تفرد به متى ظهرت الحقيقة على لسان غيره، بل كانوا يتنافسون فى التواضع وقبول الحق بروح سمحة قل نظيرها، مما جعل مجتمعهم واحةً غناء للرواداری والأخلاق الفاضلة، قاضياً على كل أشكال الاستعلاء العلمى أو التعصب الفكري[25].
>
> اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تکبر اور اپنی رائے پر فخر کرنے سے سب سے زیادہ دور تھے، پس ان میں سے کوئی شخص کسی ایسے خطے سے رجوع کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا تھا جو اس پر ظاہر ہو جائے یا اس قول سے جس میں وہ اکیلا ہو جب کہ حقیقت کسی اور کی زبان پر ظاہر ہو جائے، بلکہ وہ تواضع میں اور ایسی روحی سمح کے ساتھ حق کے قبول کرنے میں مقابلہ کرتے تھے جس کی نظیر کم ملتی ہے، جس نے ان کے معاشرے کو

رواداری اور فاضل اخلاق کا ایک سرسبز باغ بنادیا، جو علمی استعلاء یا فکری تعصب کی تمام شکلوں کا خاتمہ کرنے والا تھا۔

امام جصاص کی یہ گراں قدر توضیح اس بات کو صریح طور پر واضح کرتی ہے کہ رواداری اور تواضع کے فروغ میں صحابہ کرامؓ کا کردار امت کے لیے ایک عملی نمونہ ہے۔ جب بھی کسی مسئلے میں علمی اختلاف پیدا ہوتا یا کسی صحابی پر یہ واضح ہوتا کہ اس کا پرانا فتویٰ محلِ نظر ہے، تو وہ بغیر کسی تکبر کے فوراً اپنے قول سے رجوع کر لیتے تھے۔ ان کا یہ بلند اخلاق اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلامی معاشرت میں انا اور تکبر کی کوئی گنجائش نہیں ہے، بلکہ عاجزي، کشادہ دلی اور اخلاقی اقدار کی پاسداری ہی اصل کامیابی ہے۔ امام أبو محمد عبد اللہ بن أحمد ابن قدامۃ الحنبلی فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ الكِرَامِ رَضِى اللَّه عَنْهُمْ كعمر بن الخطاب وعلى بن أبى طالب ومعاذ بن جبل رضى الله عنهم أنهم كانوا يظهرون غاية التواضع لبعضهم ولعموم المسلمين، فإذا رجع الواحد منهم عن فتواه قال بلسان الذاكر الخاشع: "الحق قَديم والرجوع إلى الحق خير من التمادى فى الباطل"، فكان هذا التواضع سبباً مباشراً لانتشار روح الرواداری والأخلاق الحميدة، ومحاربة كل معانى التعنت والغرور الشخصى فى بيئة التشريع[26].

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت (جیسے عمر بن الخطاب، علی بن أبی طالب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما) سے یہ ثابت ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے انتہائی تواضع کا مظاہرہ کرتے تھے، پس جب ان میں سے کوئی اپنے فتویٰ سے رجوع کرتا تو وہ ذکر اور خشوع کرنے والے کی زبان سے کہتا: "حق پرانی چیز ہے اور باطل پر اصرار کرنے سے حق کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے"، پس یہ تواضع رواداری اور پسندیدہ اخلاق کی روح کے پھیلنے اور تشریعی ماحول میں سرکشی اور ذاتی غرور کے تمام معنوں کے خلاف جنگ کرنے کا براہِ راست سبب تھا۔

امام ابن قدامہ کا یہ زریں قول اس امر کا واضح غماز ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر اکابر صحابہ کرامؓ نے اپنے ذاتی اقوال اور فتاویٰ سے رجوع کرتے وقت جس تواضع اور انکساری کا مظاہرہ کیا، اس نے معاشرے میں اخلاقی اقدار اور رواداری کی جڑوں کو مضبوط تر کیا۔ انہوں نے کبھی بھی اس بات کو اپنی شان کے خلاف نہیں سمجھا کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کریں، بلکہ حق کے سامنے جھک جانا ان کی سب

سے بڑی اخلاقی پہچان تھی۔امام أبو محمد ابن حزم الظاھری رواداري، تواضع اور اخلاقی اقدار کی ترویج سے متعلق صحابہ کے مرجوع عنہ فتاویٰ کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ بِالأَسَانِيدِ الصَّحِيحَةِ رُجُوعُ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ الكِرَامِ عن كل رأى خالف الحق متواضعين لبعضهم البعض، فكان رجوعهم درساً أخلاقياً رفيعاً يرسخ قيمة الرواداری ويزرع خ خلق الإنصاف فی نفوس الأمة، دليلاً قاطعاً على أن الشريعة الإسلامية إنما جاءت لتتمم مكارم الأخلاق وتبنى إنسان التواضع والعدل[27].

اور صحیح اسانید کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کا حق کے مخالف ہر رائے سے باہم تواضع کرتے ہوئے رجوع کرنا ثابت ہے، پس ان کا رجوع کرنا ایک ایسا بلند اخلاقی درس تھا جو رواداری کی قدر کو راسخ کرتا ہے اور امت کے نفس میں انصاف کے اخلاق کو بوتا ہے، اس بات کی قاطع دلیل ہے کہ شریعتِ اسلامیہ تو صرف اس لیے آئی ہے کہ مکارمِ اخلاق کو پورا کرے اور تواضع اور عدل کے انسان کو تعمیر کرے۔

ابن حزم الظاہری کا یہ بیان اس پوری بحث کا نچوڑ ہے کہ رواداري، تواضع اور اخلاقی اقدار کی ترویج جیسے لطیف اور انسان ساز موضوع کے تحت بھی صحابہ کرامؓ کا رجوع اس بات کی سب سے روشن دلیل ہے کہ اسلامی شریعت صرف ظاہری احکام کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ دلوں کی تطہیر، اخلاق کی بلندی اور رواداری کی اس معراج کا نام ہے جہاں انا کی قربانی دے کر صرف حق اور خلقِ خدا کی بھلائی کو مقدم رکھا جاتا ہے۔

وقت اور حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ عملی زندگی کا استحکام

اسلامی شریعت، فقہی ارتقاء اور معاشرتی تدبر میں "وقت اور حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ عملی زندگی کا استحکام" کو ایک ایسے متحرک اور جاندار اصول کی حیثیت حاصل ہے جو نظری احکام کو زمینی حقائق، انسانی ضرورتوں اور بدلتے ہوئے زمان و مکان کے ساتھ ہم آہنگ کرتا ہے۔

وقت اور حالات کے تقاضوں سے ہم آہنگ عملی زندگی کے استحکام سے متعلق صحابہ کرامؓ کے اس لافانی رجحان، ان کے مرجوع عنہ فتاویٰ اور اس کے گہرے عملی و تاریخی اثرات کا تفصیلی احاطہ کرنے کے لیے تفاسیر، سنن، مسانید، اصولِ فقہ اور آثار کی معتبر کتابوں سے استدلال کرنا انتہائی ضروری ہے۔اس فکری تناظر میں سب سے پہلے امام أبو بکر أحمد بن علی الرازی الجصاص کا تجزیہ سامنے آتا ہے، جو

اپنی کتاب أحکام القرآن میں وقت کے تقاضوں کی رعایت، حالات کی تبدیلی کے اثرات اور صحابہ کرامؓ کے رجوع کی عملی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وَكَانَ الصَّحَابَةُ رَضِى اللَّه عَنْهُمْ أَبْصَرَ النَّاسِ بِواقِعِ الحَيَاةِ وَأَكْثَرَهُمْ إِدْرَاكاً لِضَرُورَاتِ العَصْرِ، فَلَمْ يَكُونُوا يُجْمِدُونَ الأَحْكَامَ عِنْدَ زَمَانٍ دُونَ زَمَانٍ، بَلْ كَانُوا إِذَا تَغَيَّرَتِ الأَحْوَالُ وَطَرَأَتْ نَوَازِلُ جَدِيدَةٌ، رَجَعُوا عَمَّا أُفْتِى به قَبْلُ مِمَّا لا يُنَاسِبُ الوَقْتَ الحَاضِرَ، مُجَدِّدِينَ مَا يَسْتَقِيمُ بِهِ حَالُ النَّاسِ وَتَنْتَظِمُ به مَعَاشُهُمْ، قَاصِدِينَ إِلا حِمَايَةَ الحَيَاةِ العَمَلِيَّةِ مِنَ التَّعَطُّلِ أَوِ الحَرَجِ[28].

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین زندگی کے واقعے کو سب سے زیادہ دیکھنے والے اور عصر کی ضرورتوں کو سب سے زیادہ ادراک کرنے والے تھے، پس وہ احکام کو کسی ایک زمانے کے ساتھ جمود کا شکار نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ جب حالات بدل جاتے اور نئے حوادث طاری ہوتے، تو وہ اس چیز سے رجوع کر لیتے جس کا پہلے فتویٰ دیا گیا تھا جو موجودہ وقت کے مناسب نہیں ہے، اس چیز کی تجدید کرتے ہوئے جس کے ساتھ لوگوں کا حال سیدھا ہو جائے اور ان کا معاش منظم ہو جائے، ان کا مقصد عملی زندگی کو تعطیل یا تنگی سے بچانا ہوتا تھا۔

امام جصاص کی یہ گراں قدر توضیح اس بات کو صریح طور پر واضح کرتی ہے کہ وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق عملی زندگی کا استحکام اسلامی فقہ کا ایک بنیادی جوہر ہے۔ جب بھی صحابہ کرامؓ پر کوئی ایسا دور آیا جہاں پرانا فتویٰ زمینی حقائق کا ساتھ چھوڑ گیا، انہوں نے فوراً اپنے قول سے رجوع کر کے وقت کے تقاضوں کے مطابق نیا حکم جاری کیا، تاکہ عامۃ الناس کی عملی زندگی بلا کسی رکاوٹ کے رواں دواں رہے۔ امام أبو محمد عبداللہ بن أحمد ابن قدامۃ الحنبلی اپنی کتاب المغنی میں اس حقیقت کو اس طرح رقم فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ الكِرَامِ رَضِى اللَّه عَنْهُمْ كعمر بن الخطاب وعثمان بن عفان وعلى بن أبى طالب رضى الله عنهم أنهم كانوا يربطون الأحكام الفقهية بمصالح العباد الواقعية، فإذا تغيرت الأزمان وتبدلت العوائد استدركوا الأمر فرجعوا عن فتاواهم السابقة لكى تستقيم الحياة العملية للناس على أسايس اليسر ورفع الحرج، محكمين قاعدة أن الشريعة بُنيت على جلب المصالح ودرء المفاسد وفقاً لمتطلبات الوقت[29].

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت (جیسے عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان اور علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہما) سے یہ ثابت ہے کہ وہ فقہی احکام کو بندوں کی واقعی مصالح کے ساتھ جوڑتے تھے، پس

جب زمانے بدل جاتے اور عوادت تبدیل ہو جاتی تو وہ معاملے کا ادراک کرتے اور اپنے سابقہ فتاویٰ سے رجوع کر لیتے تاکہ لوگوں کی عملی زندگی آسانی اور حرج کے خاتمے کی بنیادوں پر سیدھی ہو جائے، وہ اس قاعدے کو حاکم بناتے تھے کہ شریعت وقت کے تقاضوں کے موافق مصالح کے کینچنے اور مفاسد کے دور کرنے پر بنائی گئی ہے۔

امام ابن قدامہ کا یہ زریں قول اس امر کا واضح غماز ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر اکابر صحابہ کرامؓ نے عملی زندگی کے تسلسل اور اس کے استحکام کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ انہوں نے کبھی بھی اس عذر داری کا سہارا نہیں لیا کہ پرانا حکم فوت ہو چکا ہے لہٰذا اب زندگی رک جانی چاہیے، بلکہ انہوں نے بروقت رجوع کے ذریعے وقت کے ہر تقاضے کو پورا کیا۔ امام علاء الدین أبو بکر بن مسعود الکاسانی حنفی موضوع کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَرَوْا فی تعديل الفتاوىٰ لمواكبة متطلبات العصر أی حرج، بل اعتبروا ذلك روح التشريع وعلته، ومثال ذلك ما صدر عن أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضی الله عنه وغيره من الصحابة فی تعديل الأحكام المالية والإدارية تبعاً لتغير الأزمان، قاطعين بذلك الطريق على كل جمود يعطل مصالح العباد، محكمين واقع الحياة النابض على النصوص الجامدة ظاهرياً[30].

اور عصر کے تقاضوں کا مقابلہ کرنے کے لیے فتاویٰ میں ترمیم کرنے میں انہوں نے کوئی حرج نہیں سمجھا، بلکہ اسے تشریع کی روح اور اس کی علت قرار دیا، اور اس کی مثال وہ ہے جو امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ سے زمانوں کے بدلنے کے تابع مالی اور انتظامی احکام میں ترمیم کے حوالے سے صادر ہوئی، انہوں نے اس کے ذریعے ہر اس جمود کا راستہ کاٹ دیا جو بندوں کی مصالح کو معطل کرتا ہے، وہ ظاہری طور پر جامد نصوص پر زندگی کے دھڑکتے ہوئے واقعے کو حاکم بناتے تھے۔

علامہ کاسانی کا یہ فقہی تجزیہ اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ حنفی فقہ کے اصولوں میں بھی وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق فتاویٰ کی تنسیخ و تجدید کو زندگی کی روانی اور استحکام کا سب سے بڑا ضامن مانا گیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا انتظامی اور معاشی فیصلوں کو بدلنا اس کی روشن ترین دلیل ہے۔

خلاصہ

موضوع کی مطالعے سے یہ روشن حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ فتاویٰ سے رجوع کا عمل محض ایک فقہی تغیر نہیں بلکہ شریعتِ اسلامیہ کی روح، حرکیات اور مصلحت شناسی کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ اس باب کے پہلے حصے میں شرعی ضوابط کا احاطہ کیا گیا ہے جو یہ واضح کرتے ہیں کہ رجوع کا یہ فریضہ کسی کمزوری کا نام نہیں بلکہ دلیل کی پیروی، حقیقت پسندی اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کا ایک مضبوط ترین فقہی اور اخلاقی فریم ورک ہے۔ صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کی اس سنتِ متوارث نے فکری تعصب، انانیت اور تقلیدی جمود کی دیواروں کو گرا کر امت کو ایک ایسی کشادہ اور متحرک فضا عطا کی ہے جہاں ہر دور کے چیلنجز اور عصری نوازل کا سامنا نہایت بصیرت اور دیانت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔

- فتاویٰ سے رجوع کے شرعی اصول اور ضوابط اجتہادی عمل ہمیشہ قطعی دلائل، کتاب و سنت کے منشا اور مقاصدِ شریعہ کی روشنی میں انجام پائے، تاکہ ذاتی رائے پرستی اور ہوائے نفس کا کوئی شائبہ بھی باقی نہ رہے۔
- فتاویٰ میں تبدیلی اور رجوع کے عمل نے معاشرے میں اخلاقی اقدار، تواضع، رواداری اور باہم حسنِ ظن کی فضا کو پروان چڑھایا ہے، جس سے مسلکی تعصبات کا خاتمہ ہوتا ہے اور مختلف مکاتبِ فکر کے مابین فکری ہم آہنگی اور اجتماعی سکون استوار ہوتا ہے۔
- دورِ حاضر کے پیچیدہ معاشی، معاشرتی، خاندانی اور ریاستی مسائل کے حل کے لیے رجوع اور تجدیدِ اجتہاد کا یہ منہج اس امر کی تجدید کرتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ ہر زمان و مکان میں انسانی حقوق کے تحفظ اور ریاست کے قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کی کامل صلاحیت رکھتی ہے۔

References & Notes:

---

[1] الجصاص، **أحكام القرآن**، کتاب الإجتهاد والأحكام، باب رجوع الصحابة عند ظهور الدليل القاطع، ج4، ص120

[2] ابن قدامہ، **المغني**، کتاب الأصول والأحكام، باب رجوع المجتهد إلى السنة، ج12، ص50

[3] الحرمی، **المحلی بالآثار**، کتاب الأحكام، باب رجوع الصحابة عن الرأی المخالف للسنة، ج12، ص80

[4] الجصاص، **أحكام القرآن**، کتاب آداب القاضی والمفتي، باب اعتراف المجتهد بالخطأ ورجوعه، ج5، ص140

[5] ابن قدامہ، **المغني**، کتاب القضاء والشهادات، باب رجوع الحاكم والمفتی عن خطئه، ج14، ص70

[6] الحرمی، **المحلی بالآثار**، کتاب الأقضية والأحكام، باب رجوع الصحابة عن الآراء الخاطئة، ج13، ص150

[7] الجصاص، **أحکام القرآن**، باب رعایۃ المصالح ودفع المفاسد فی رجوع الصحابۃ، ج5، ص210

[8] ابن قدامہ، **المغني**، کتاب الإمامۃ والسیاسۃ الشرعیۃ، باب تغیر الفتوی بتغیر المصالح، ج15، ص115

[9] الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، باب تقدیم المصلحۃ العامۃ فی الأحکام، ج8، ص290

[10] الحرمی، **المحلی بالآثار**، کتاب السیاسۃ والأحکام، باب رجوع الصحابۃ لدفع المفاسد، ج13، ص200

[11] الجصاص، **أحکام القرآن**، کتاب الإجماع والأحکام، باب رجوع المجتہد إلی اجماع الصحابۃ، ج5، ص310

[12] ابن قدامہ، **المغني**، کتاب الإجماع، باب رجوع المجتہد إلی رأی الجمہور، ج16، ص40

[13] الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، کتاب الإجماع والحجج، باب رجوع الصحابی إلی إجماع الجمہور، ج9، ص85

[14] الجصاص، **أحکام القرآن**، کتاب الأحکام والضرورات، باب نسخ الفتوی بتغیر الزمان، ج5، ص350

[15] ابن قدامہ، **المغني**، کتاب السیاسۃ الشرعیۃ، باب تغیر الأحکام بتغیر الأزمان، ج16، ص95

[16] الجصاص، **أحکام القرآن**، باب دور رجوع الصحابۃ فی تحقیق الألفۃ والانسجام، ج5، ص400

[17] ابن قدامہ، **المغني**، کتاب الاجتماع والآداب، باب أثر رجوع العلماء فی نشر الألفۃ، ج16، ص140

[18] الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، کتاب المجتمع، باب رجوع المجتہد لصیانۃ الألفۃ العامۃ، ج9، ص210

[19] الجصاص، **أحکام القرآن**، باب رفع الجمود الفکری ورجوع الصحابۃ عند الدلیل، ج5، ص450

[20] الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، باب رفع الجمود الفکری برجوع المجتہد، ج9، ص300

[21] الحرمی، **المحلی بالآثار**، کتاب الإجتہاد، باب بطلان التقلید الأعمی ورجوع الصحابۃ، ج14، ص250

[22] الجصاص، **أحکام القرآن**، باب رجوع المجتہد لإقامۃ العدل وحفظ حقوق العباد، ج5، ص510

[23] ابن قدامہ، **المغني**، کتاب المعاملات، باب رجوع الحاکم لصیانۃ حقوق العباد، ج16، ص310

[24] الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، کتاب القضاء، باب رجوع المجتہد لإقامۃ العدل الاجتماعی، ج9، ص350

[25] الجصاص، **أحکام القرآن**، کتاب الآداب والأخلاق، باب تواضع الصحابۃ ورجوعھم إلی الحق، ج5، ص550

[26] ابن قدامہ، **المغني**، کتاب الآداب، باب التواضع فی قبول الحق ورجوع المجتہد، ج16، ص410

[27] الحرمی، **المحلی بالآثار**، کتاب الأخلاق والأحکام، باب تواضع الصحابۃ ورجوعھم، ج14، ص350

[28] الجصاص، **أحکام القرآن**، کتاب الواقع والتشریع، باب مراعاۃ أحوال الزمان ورجوع الصحابۃ، ج5، ص600

[29] ابن قدامہ، **المغني**، کتاب الواقع، باب تغیر الأحکام لاستقامۃ الحیاۃ العملیۃ، ج16، ص500

[30] الکاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، کتاب التشریع، باب مواکبۃ العصر ورجوع المجتہد، ج9، ص500